الطاف فاطمہ

ولادت: ۱۹۲۹ء

الطاف فاطمہ لکھنؤ میں پیدا ہوئیں۔ ابتدائی تعلیم وہیں سے حاصل کی اور قیامِ پاکستان کے بعد اپنے خاندان سمیت لاہور میں مستقل رہائش اختیار کی۔ پنجاب یونیورسٹی سے ایم۔اے، بی۔ایڈ کرنے کے بعد درس و تدریس سے وابستہ ہوگئیں۔ اسلامیہ کالج برائے خواتین اور اپوا گرلز کالج میں اُردو ادب پڑھاتی رہیں۔ وہ ملازمت سے ریٹائر ہو چکی ہیں اور آج کل لاہور ہی میں مقیم ہیں۔

لاہور میں رہائش اور زندگی کا ایک طویل عرصہ گزارنے کے باوجود وہ ہر طرح کی ادبی مجالس، اداروں اور تحریکوں سے لاتعلق رہیں۔ اُن کے افسانے حقیقت کے ترجمان ہیں انھوں نے مشرقی عورت کی نفسیات کی ترجمانی کی ہے۔ اُنھوں نے عام معاشرتی مسائل پر قلم اُٹھایا ہے اور اُن کا حل تلاش کرنے کی کوشش کی ہے۔ وہ چھوٹے چھوٹے جملوں میں اپنا مافی الضمیر بیان کرتی ہیں۔

وفات ، 2018ء

تصانیف: نشانِ محفل، دستک نہ دو، چلتا مسافر (ناول)۔ وہ جسے چاہا گیا، جب دیواریں گریہ کرتی ہیں، تارِ عنکبوت (افسانے)۔

کنڈکٹر

اب تو یہ سننے میں آتا ہے کہ اس نے کراچی میں کوئی اچھا بزنس جمالیا اور ایک اچھا معقول بنگلہ بنا لیا ہے۔

ایک مرتبہ بہت عرصہ پہلے یہ بھی سننے میں آیا تھا کہ ایک سکول ٹیچر سے شادی کرلی ہے، جس پر حیرت بھی ہوئی تھی کہ اچھا، کوئی ایسی بھی حوصلے والی ہوسکتی ہے جس نے نہ صرف ایک انڈر میٹرک کی شریکِ حیات بننا قبول کیا بلکہ ایک عرصے تک اس کی زندگی کی چھکڑا گاڑی کا ایک مضبوط پہیا بلکہ اسٹیرنگ بن کر بڑی ہمواری سے چلنے میں مدد دیتی رہی اور یہ سن کر خوشی ہوئی کہ چلو اب تو وہ بھی چین سے بیٹھی ہوگی۔

دراصل لالو کا کیا، کسی کا بھی حال ایسا خطِ مستقیم نہیں کہ جس پر سفر کرکے کوئی ناک کی سیدھ میں سفر کرتا جائے۔

زندگی تو ایک دلچسپ بھول بھلیاں ہے جس میں بے شمار دائرے، بند راستے اور کئی الجھے ہوئے خطوط آتے ہیں اور اپنی راہ کی تلاش میں کوئی ان الجھے ہوئے خطوط کو کیونکر سلجھاتا ہے اور اپنی راہ کا کھوج لگاتا ہے، یہ ہر شخص کا اپنا مسئلہ ہے۔

لالو کا مسئلہ بھی ایسا ہی تھا۔ وہ اپنے گھرانے کا دوسرا بیٹا تھا اور اگر آپ تصور میں سید اور مغل خون کی آمیزش کی ایک تصویر بنا سکتے ہیں تو بنا لیجیے ورنہ میں تو یہ کام کرنے سے رہی کہ اس کی اس وقت اور آج کی تصویر میں بہت فرق پڑگیا ہے۔ اُس وقت یعنی جب وہ پانچویں جماعت میں پڑھتا تھا۔ اس کی تعلیمی رفتار سست اور مایوس کن تھی، اُس کے خدوخال پر ہر حماقت کی چھاپ کسی دوسری کیفیت سے زیادہ نمایاں تھی اور اس پر تتلاہٹ۔ وہ بھی ایسی کہ کاف کو ٹاف اور گاف کو ڈاف کہتا۔ اس نے اپنی پوری کنگ ریڈر اسی انداز

میں رٹ رکھی تھی اور ہمارے مشترک ٹیوٹر یعنی ماسٹر صاحب کا کہنا تھا کہ خبیث کو ایک لفظ نہیں آتا اور یہ اس نے صرف رٹ رٹا لیا ہے کہ وقتِ ضرورت کام آسکے۔

لالو کا خاندان ہمارے چھوٹے سے گھر میں مقیم تھا۔ اس کا دروازہ ہمارے صحن میں کھلتا تھا۔ وہ اور اس کا بھائی دونوں ہمارے ہی کمرے میں ساتھ بیٹھ کر ماسٹر صاحب سے پڑھتے جو لالو سے حد درجہ مایوس تھے۔ ان کا کہنا تھا کہ تم خاک پڑھوگے تمھاری ڈوڈ بھی[1] خالی رہے تو تم پڑھو اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اس کے کولہے پر سدا ایک نہ ایک چھوٹا بچہ لدا رہتا کہ اس کی والدہ نے اس کا یہی مقدر تجویز کیا تھا۔

ماسٹر صاحب اس کے بَیری نہ تھے۔ بہی خواہ تھے، جبھی تو اس کے کان نوچتے، ہاتھوں پر سٹیاں مارتے اور صلواتیں سناتے، ارے! تم کیا پڑھوگے؟ گھاس کھودوگے۔ تم تو بہن بھائیوں کی چاکری کروگے! بَیرا بنوگے۔"

اور اس پر اس نے کبھی کسی ردِعمل کا اظہار نہ کیا۔ سر جھکائے نیچی نظریں کیے یوں بیٹھا رہتا گویا ماسٹر صاحب کی پیش گوئیوں سے اسے سولہ آنے اتفاق ہو۔

البتہ جب یہی الفاظ اس کی ماں کی زبان سے نکلتے، تو وہ طنزیہ مسکراتا، کنکھیوں سے دیکھتا، چہرے پر کرب و بے بسی سے زیادہ ایک پُر اَسراری تمتماہٹ، جیسے اس کا خون جوش مار رہا ہو اور اس کے اندر کوئی اَسرار پل رہا ہو۔

چھوٹے بھائی بہنوں کی نگہداشت کرتے کرتے اس کا دل پڑھائی سے واقعی اچاٹ تھا یا دی النظر میں وہ نکھٹو اور پڑھائی سے دل چُرانے والا تھا۔

اور ہم لوگ اپنی برتری جتانے کے لیے اس کا مذاق اڑاتے۔ مگر وہ .... وہ صرف ہمیں گھور کر دیکھتا اور کچھ نہ کہتا۔ ہمیں کیا معلوم تھا وہ اپنے اندر ایک بہت بڑے راز کی تلاش اور جستجو میں ہے اور ایک زبردست اَسرار نما حقیقت کے حوالے سے خود اپنا سُراغ لگا رہا ہے۔

---

(۱) گود بھی خالی

کبھی کبھی میں اپنی فوقیت کے احساس کی ترنگ میں آکر اپنی عمر کی بڑائی کے ساتھ ساتھ جماعتوں کی برتری جتاتی اور اس کو سمجھانے کی کوشش کرتی:

دیکھو، لالو! تم بھی محنت سے پڑھ لیا کرو۔ ماسٹر صاحب تمھارے بھلے کو کہتے ہیں..............."۔ وہ بات کاٹ دیتا۔" محنت سے آپ لوگ پڑھو۔ ہمارا کیا ہے، ہم تو بڈھے طوطے ہیں۔ مجھے معلوم ہے میں اپنی عمر کے لحاظ سے بہت پیچھے ہوں"۔ پھر وہ الٹا ہمارا مذاق اڑانا شروع کر دیتا۔

کھیلوڈے تو وِوڈے تو بنوڈے نواب[1]
پڑھوڈے لکھوڈے تو ہوڈے خراب

اور ان خراب ہونے والوں میں اس کے دو سال بڑے بھائی کی ذات بھی شامل ہوتی، جو آٹھویں جماعت میں ٹھیک ٹھاک ہی چل رہا تھا۔

میں اس کی بات خاک جھٹلاتی، اس لیے کہ واقعی خراب تو ہم ہو رہے تھے کہ گرما کے طویل دن برساتوں اور پھر سرما کے مختصر دنوں میں تبدیل ہوتے جا رہے تھے۔ ہر آنے والا نیا دن وقت کی دہلیز پر گرز مار کر کہتا:

امتحان! امتحان! امتحان!
ہم سکڑتے اور سمٹتے جاتے تھے۔

پچھواڑے شاہ گنج کی گلی میں دھوبی ٹھلیا اور چمٹا بجا کر کبیر اور تلسی کے دوہے گاتے، تو ہم کان لگا کر نہ سن سکتے کہ ہمارے سامنے ایشیا اور اس کی وسیع چراگاہوں کے نقشے پھیلے ہوئے ہیں۔ پھر پانی پت اور دکن کے میدانوں میں رن پڑے ہوا کرتے اور ہم ایسٹ انڈیا کمپنی، لارڈ کلائیو اور کارنوالس کے ہم قدم تاریخ کی شاہراہ پر چہل قدمی کر رہے ہوتے۔ زندگی میں کون سا موسم ایسا نہیں آتا کہ جب فضا میں جلترنگ

---

(۱) کھیلوگے کودوگے تو بنوگے نواب
پڑھوگے لکھوگے تو ہوگے خراب

نہ بج رہے ہوں، فاختائیں نہ کوکتی ہوں، الغوزوں اور بانسری کی تانیں نہ لہراتی ہوں، مگر امتحان۔ امتحان تو
ہمیں اعشاری کسور، سودی نظام اور A+B کے چکر سے نکلنے ہی نہ دیتے۔
وقت اور زمانے سے ہمارے رابطے ٹوٹ رہے تھے البتہ لالو، لالو کی بات اور تھی۔ گود کا بچہ سو رہا ہوتا
تو خود اس کے نزدیک زندگی کا کوئی مقصد نہ رہتا۔ بڑی اکسی سے انگلیاں چٹخاتا اور دانت بھینچ کر گنگنایا کرتا۔

زندگی ہے پیار سے، پیار میں بتائے جا

وہ واقعی زندگی اور دھرتی کے رنگوں سے پیار کرتا، نیلے آسمان اور قوسِ قزح سے رابطہ قائم رکھتا۔
اسے پتا ہوتا، آسمان پر کالی ناگوں اور سفید پروں والے بگلوں کی قطار میں آج کتنے بگلے تھے، آنگن میں کتنی
لم ڈوریں اور گول گول آنکھوں والی ڈومن چڑیاں اتریں۔
اکتاہٹ بڑھتی تو وہ چٹکیں لوٹنے نکل جاتا یا پھر ڈربے میں سے پٹھورے کھینچ کھینچ کر سب سے قوی
اور جید مرغ سے لڑانے لگتا۔
ہم اس کو اپنی انکھیوں میں رکھتے۔
جبھی تو ہم نے اس کے اندر ایک واضح فرق محسوس کیا۔ گردن اٹھا کر چلتا، وقار سے اپنی بات
منواتا اور جب بڑے لوگ واقعاتِ عالم پر بات کرتے، تو بڑے اعتماد سے اپنے ٹاف ڈاف والے لہجے میں
لقمے دیتا۔
اب میں سوچتی ہوں اس نے اپنی منزل اور سراغ پالیا تھا، کسی بڑے اسرار کے حوالے سے، جب
ہی تو اکثر وہ کسی گہری سوچ میں بیٹھا انگلیاں چٹخایا کرتا یا پھر کسی درخت کے سائے تلے چارپائی پر لیٹا، نیم وا
آنکھوں سے نیلے آسمان کو تکتا رہتا۔
ہم سمجھتے تھے کہ یہ بیکاری سے اکتا رہا ہے۔ 5-6-2005
کسے خبر تھی کہ وہ انتظار کر رہا ہے۔
چند ہفتوں سے وہ بیٹھے بیٹھے غائب ہو جاتا اور پھر گھنٹوں واپس نہ آتا۔

اس کی والدہ بیٹھی اس کو کوستی کاٹتی رہتی اور اس پُراسراریت کا کھوج لگانے کی فکر میں رہتی۔ سرما
کے کچھ اور دن چپکے سے سرک لیے تھے اور اب فضا میں عجب سی آوازیں کانوں سے ٹکرانے لگیں: نعرۂ تکبیر،
اللہ اکبر! پاکستان، زندہ باد، لے کے رہیں گے پاکستان۔ قائداعظم محمد علی جناحؒ، زندہ باد! پھر کوئی منچلا سریلی
آواز میں لہکتا:

"ملت کا پاسباں ہے محمد علی جناحؒ"

یہ صدائیں سن سن کر ہماری والدہ آبدیدہ ہو جاتیں۔ کبھی دعا کے لیے ہاتھ اٹھا دیتیں اور کبھی آسمان
کو دیکھنے لگتیں، بالکل لالو کی طرح مجھے یہ بھی یاد ہے کہ نعرے سن کر بہت سے لوگ آبدیدہ ہوتے اور کچھ لوگ
ہنس دیتے۔
یہ صدائیں ہمارے لیے نئی تھیں، اس لیے کہ ہمارے علاقوں میں ارتھیوں، جنازوں اور باراتوں کے
جلوسوں کے سوا کسی دوسرے جلوس کا رواج نہ تھا۔ ہمارے باورچی خانے کی کھڑکی گلی میں کھلتی تھی۔ کوئی
جلوس گزرتا تو ہم سب بیک وقت کھڑکی میں ٹھنس کر بیٹھ جاتے اور نظارہ کرتے۔
ان نعروں اور جلوسوں میں عجیب طرح کی کشش تھی کہ ہم امتحان کی ہیبت کے باوجود کتابیں کاپیاں
چھوڑ چھاڑ کھڑکی کی طرف لپک لیتے۔
جب ہی ہم چاند تارے والے پرچم سے آشنا ہوئے، جب ہی پاکستان کا نام سنا۔
"ارے، عجیب بات ہے! پاکستان ہے کہاں جو زندہ باد ہو؟"
لالو کا چہرہ ایک دم سرخ ہو گیا۔
"ہے کیوں نہیں! بالکل ہے۔ یہاں ہے، یہاں"! اس نے اپنے سینے پر ہاتھ رکھا۔
"تم، لالو! تمہارے اندر.................." ہم نے حیرت سے دیکھا۔
"ہاں............" اس نے کہا۔ کھڑکی سے باہر چھلانگ لگائی اور جلوس میں شریک ہو گیا۔ حقیقت یہ
ہے کہ اسے ہم سب پر برتری حاصل ہو چکی تھی۔ وہ بہت کچھ جانتا اور سمجھتا تھا۔

اور ہم! ہم تو بقول اس کے "ٹراب" ہو رہے تھے۔

"A IS EQUAL TO X" کے پھیرے سے نکلے، تو پلاسی اور سرنگا پٹم کے میدانوں میں اپنی شکست کے اسباب ڈھونڈنے جا کھڑے ہوئے۔ اب ایسے میں ہمیں کیا پتہ چلتا کہ شملہ کانفرنس ہو کس شہر میں رہی ہے، لارڈ ویول اچانک کب اور کیوں رخصت ہوا اور برطانوی راج کا انیسواں خوبرو وائسرائے لوئی ماؤنٹ بیٹن کس مقصد اور غرض سے تشریف لایا؟

کون سا وقت آ رہا ہے، کون سا لمحہ جا رہا ہے۔

آدھی رات کا گجر، چوکیدار کی "جاگتے رہو، خبردار" مسجدوں کی اذان کا سحر، مندروں کی گھنٹیوں کی باج ہمیں تو ایک بہت چھوٹے سے امتحان کی خبر دیتی۔

ایک رات اور بیتی، ایک سحر اور طلوع ہوئی۔ امتحان ایک دن اور قریب ہوا۔ مگر لالو.........اس کے تو دل کی ہر دھڑکن اس کو ایک بڑا امتحان، ایک بڑی آزمائش کی خبر دیتی تھی، جب ہی تو ہمارے چہروں پر وحشت کی پھٹکار تھی اور اس کے چہرے پر طمانیت کا وہ نور کہ نورِ سحر کو شرما دے۔

وہ اب اکثر سکول نہ جاتا۔ رستے ہی سے غائب ہو جاتا۔ اس کا بھائی کہتا: "اماں سے نہ کہنا۔ یہ اب مسلم لیگ کے دفتر پہنچ جاتا ہے۔ ماریں گی اسے"۔

تو گویا رفتہ رفتہ وہ بھی سازش میں شریک ہو رہے تھے۔ مجھے وہ دن کبھی نہ بھولے گا جب لالو اور اس کا بھائی صبح نکلے اور دوسری صبح تک نہ پہنچے۔

تمام رات ان کی اماں روتی رہیں۔

"ارے میرے دونوں بٹ گئے، اب تو لاشیں ہی آئیں گی"۔ تمام رات ہماری والدہ انھیں تسلیاں دیتی رہیں۔ چہرہ اُن کا بھی فق تھا۔ ہمیں بھی یہ رنج کھائے جاتا تھا، کاہے کو اسے چھیڑتے تھے۔

دن چڑھا، تو ماسٹر صاحب پڑھانے آئے۔ ہم نے ہونق صورتوں کے ساتھ لالو اور اس کے بھائی کی گمشدگی کی خبر سنائی، اور وہ الٹے قدموں لوٹ گئے۔ چار بجے ماسٹر صاحب اس شان سے نمودار ہوئے کہ ایک

ہاتھ ایک کی، دوسرا دوسرے کی گردن پر۔ (دونوں کو اپنے ماں کے حوالے کیا۔)

"یہ لیجیے یہ آپ کے صاحبزادگان لیڈری فرما رہے تھے اور پاکستان بنا رہے تھے"۔

"اے ماسٹر صاحب! آپ ہی نے تو ان کے سروں میں یہ خناس بھر دیا ہے، خود ہی تو پٹیاں پڑھائی ہیں۔ ارے، اب یہ گئے دونوں امتحان سے"۔ وہ اُلٹا ماسٹر صاحب کے سر ہو گئیں۔

ماسٹر صاحب بوکھلا کر بولے:

"ارے اب یہ تھوڑی کہا تھا کہ عین امتحان کے نزدیک تم جلوس میں لگ جاؤ۔ اب جو دیکھتے ہیں، تو کیا نظر آیا کہ لیاقت علی خان کا جلوس رواں ہے اور یہ مغلیہ شہزادے ہاتھیوں پر سوار گلے، میں ہار نعرے پر نعرہ لگا رہے تھے"۔

اور اب ان کی والدہ اور جوش میں آ گئیں۔

"ماسٹر صاحب، آپ کو خدا کی قسم! انھیں اتنا ماریے کہ ان کی ساری لیڈری ناک سے نکل جائے۔ ان کی جان نکل جائے"۔

لالو نے ایک باغیانہ نظر ڈالی: "لیڈری نکل جائے، جان نکل جائے، پاقستان نہیں نکل سکتا"۔

اور یہ ایک بڑی اہم تبدیلی تھی۔ لالو پاٹستان کے بجائے پاقستان کہہ رہا تھا۔

مجھے کبھی نہ بھولے گا، ماسٹر صاحب نے دونوں کو لٹا لٹا کر مارا اور ہم سب کو حکم دیا: "چلو کم بختو، اپنی کتابیں نکالو"۔

جتنی دیر انھوں نے پڑھایا لالو کے کان مسوس مسوس کر ہم سب کو لیکچر دیتے رہے۔

"ارے، تو کیا تم جاہلوں کے لیے بنے گا پاکستان؟ تم پاکستان کے قابل تو ہو"۔

وہ چلے گئے، تو میں نے لالو کو قائل کرنا چاہا:

"ٹھیک ہی تو کہتے ہیں"۔

پھر اس نے لکھنا شروع کیا: پاؤل ہو تم بھی ان ہی ٹی ٹرح۔ اب امتحانوں ٹا ڈٹ نہیں۔" ماریں

نے مرجائیں نے، پاقستان بنائیں نے"۔

غرض اب وہ کھل کر سامنے آگیا۔ دیوانہ وار کہہ سن کر مسلم لیگ کے دفتر جاتا، شہر کی دیواروں پر پوسٹر چپکاتا۔ اب تو اس کے گیتوں کے بول بھی بدل گئے تھے۔ لہک کر کہتا:

ایسی تڑی ٹماں ہے محمد علی جناح"

جب اس کی والدہ نے اس کو تنبیہ کرنے کی فرمائش اس کے والد سے کی، تو وہ ہنس کر بولے:

"بیگم اب ہم کس کس کو روکیں گے؟ یہ تو وقت کی آواز ہے، زبانِ خلق ہے۔ ارے تم تو اندر گھر میں بیٹھی ہو، ہم سے پوچھو ملازمت کی وجہ سے اپنے آپ کو کس کس طرح روکتے ہیں"۔

لالو اب بھی تتلاتا تھا، لیکن پاکستان اور قائداعظم" دو لفظ ایسے تھے جن کا صحیح تلفظ بڑی مشقت سے کرتا تھا۔ یہی اس کا نذرانۂ عقیدت تھا۔

امتحان بھی ختم ہولیے، تو بدلتی رُتوں کا پھر سے احساس ہوا۔ ساری فضا اور ماحول میں ایک عجیب سی کیفیت بڑھ رہی تھی جیسے ماحول کو بھی لالو کی طرح کسی بات کا انتظار ہو۔

پھر وہ رات گزری۔ مرغِ سحر بولا۔ مسجد کے مناروں سے جانی پہچانی صدا ایک نئے لحن سے گونجی:

"اللہ اکبر!"

یہی وہ صبح تھی جب ہم نے وہ نئی خبر سنی۔

بھئی، مبارک! ہر شخص لالو کو مبارک باد دے رہا تھا اور وہ بچے فاتح کی طرح سر اٹھائے نہیں، سر جھکائے کھڑا تھا۔ سب حیران تھے۔ سب چہک رہے تھے۔ سب اکسائیٹڈ تھے، بجز لالو کے جو پہلے ہی جانتا تھا کہ یہ دن آئے گا۔

چودہ اگست ۱۹۴۷ء کی اِس صبح مجھے نئی تاریخ سے بالکل ہیبت نہ آئی کہ لو اور مواد بڑھ گیا رٹّے انے کو۔ مجھے تو عجیب سا احساس ہو رہا تھا جیسے بہت اُوپر سے کوئی گاتی گنگناتی آبشار آ رہی ہو کہ اچانک سمندر نے اپنا رُخ بدلا اور آبشار کے نیچے سے موجیں مارتا، شور مچاتا آگے بڑھنے لگا ہو۔

ہم پاکستان ۱۹۴۷ء میں آئے۔

لالو کی کوئی خبر ہی نہ ملی۔

البتہ ہر اگست کی چودہ تاریخ کو اس کا خیال ضرور آتا۔

"لے ٹے رہیں گے پاقستان

بن ٹے رہے گا پاقستان"۔

پھر ایک شادی میں کراچی جانا ہوا، تو ڈھوپ ڈھمکوں کے درمیان ہم شادی کے گانوں میں مصروف تھے کہ کسی بچے نے آ کر کہا: "آپ کو کچھ لوگ باہر بلا رہے ہیں"۔

"کون لوگ ہیں"؟

میں حیران ہوتی شامیانے میں آئی۔ ایک صف میں بچھی کرسیوں پر نوجوان لڑکوں کی قطار بچی تھی۔ ہم سبق، ہم جولی، کرکٹ اور ہاکیوں کے ساتھ سب ہی "ہمیں پہچانا، ہمیں پہچانا" کہہ کر کھڑے ہوگئے۔

"ارے بھائی، ہر چیز اتنی بدل گئی۔ کس کس کو پہچانیں" میں ہنس پڑی۔ ان میں لالو بھی تھا۔

"مجھے بھی پہچانا؟"

میں نے پہچاننے کی کوشش کی۔

"وہ لیاقت علی خان کا جلوس۔ ماسٹر صاحب یا پٹائی۔ کچھ یاد نہیں؟"

"ارے لالو تم! تم"۔ پھر میں نے اپنی حیرت پر قابو پاتے ہوئے کہا: "آج کل تم کہاں ہو اور کیا کر رہے ہو"؟

"میں بس کا کنڈکٹر ہوں"۔

"مذاق کرتے ہو"۔

"بالکل نہیں۔ بھائی اس میں ہرج ہی کیا ہے؟ یہ ہمارا پاکستان جو ہے نا، یہ ایک بڑی سی بس ہی تو

ہے۔ ہم سب جو کچھ بھی کریں، اس کے کنڈکٹر ہی تو ہیں۔ بس یہی خیال رکھنا ہے کہ گاڑی چلتی رہے"۔
"بڑی زبردست بات کہہ دی تم نے۔ ارے اُس وقت بھی ہمارے حلقے کی ایک تم ہی تو نمائندگی کر رہے تھے۔ ہم سب تو خراب ہو رہے تھے۔

بڑی دیر تک ہم قہقہے لگا لگا کر ماضی کی باتیں کرتے رہے۔ کراچی جانا ہی نہیں ہوتا۔ کئی کئی سال بس خبریں ملتی ہیں۔ لالو کی ایک خبر ملی کہ پہلے نائٹ سکول، پھر کالج جوائن کر لیا ہے، ایک ٹیچر سے بیاہ رچا لیا ہے۔ اور اب یہ خبر ملی کہ گھر بنا لیا ہے۔ تو میں سوچ رہی ہوں کہ اس کا گھر تو کب کا بن گیا تھا۔ چودہ اگست ۱۹۴۷ء کو کہ وہ ایک بلندی پر کھڑا تھا۔ ایک گاتی گنگناتی آبشار تھی کہ نیچے کو آئی تھی اور مواج سمندر تھا کہ اس کے قدموں میں پہنچا تھا، اس کے چھوٹے چھوٹے تاریخ ساز قدموں میں۔ اور اب؟ اب تو ہم سب ایک بڑی سی بس میں سفر کر رہے ہیں جس کے ہر دروازے پر اس کا ہم شکل کنڈکٹر مستعدی سے کھڑا ہے۔

سمندر، آبشار اور چلتی بس کی آوازوں کے درمیان کتنا سکون ہے اور کتنی کشش!

(تارِ عنکبوت)

مشق

۱۔ مندرجہ ذیل سوالات کے جوابات لکھیں:

(الف) لالو کے بارے میں ماسٹر صاحب کیا کہتے تھے؟

(ب) لالو گھر سے غائب ہو کر کہاں جاتا تھا؟

(ج) ماسٹر صاحب لالو اور اُس کے بھائی کو کہاں سے پکڑ کر لائے تھے؟

(د) قیامِ پاکستان کے بعد لالو نے اپنی زندگی کیسے گزاری؟

(ہ) لالو کی سرگرمیوں پر لالو کے والد نے کن خیالات کا اظہار کیا؟

(و) لارڈ ماؤنٹ بیٹن کون تھے؟

۲۔ خالی جگہ پُر کریں:

(الف) اب تو اُس نے کراچی میں .... جما لیا

(ب) لالو کے خدوخال پر .... کی گہری چھاپ نمایاں تھی۔

(ج) ہم لوگ اپنی .... جتانے کے لیے لالو کا مذاق اُڑاتے۔

(د) اِن نعروں اور جلوسوں میں عجیب سی .... تھی۔

(ہ) اب وہ دیوانہ وار .... کے دفتر جاتا

۳۔ درج ذیل جملوں کی وضاحت کریں:

(۱) اب ہم پلاسی اور سرنگاپٹم کے میدانوں میں اپنی شکست کے اسباب ڈھونڈ رہے تھے۔

(۲) اب ہم کس کس کو روکیں گے؟ یہ تو وقت کی آواز ہے، زبانِ خلق ہے۔

(۳) کسے خبر تھی کہ وہ انتظار کر رہا ہے۔

۴۔ لالو اپنی تعلیم اور امتحانوں کو چھوڑ کر جلسے جلوسوں میں شریک ہوتا۔ کیا اپنے مستقبل کو داؤ پر لگا کر اُس کا یوں جلسے جلوسوں میں جانا درست تھا؟

۵۔ استدراکی اور سببی جملوں کی تمام اقسام کی دو دو مثالیں لکھیں۔ *

۶۔ درج ذیل جملوں میں معاون افعال کی نشان دہی کریں:

ا۔ ابرار معاشرے میں اپنا وقار کھو بیٹھا۔

ب۔ ہجوم میں تو میرا دم گھٹنے لگا تھا۔

ج۔ کاش تم میچ جیت سکو۔

د۔ تمام طلبہ یک زبان بول اُٹھے۔

ہ۔ تھانیدار ملزم پر برس پڑا۔